ناشکری کا عارضہ

ہم اہلِ زاویہ کی طرف سے آپ سب کی خدمت میں سلام پہنچے۔

کچھ عرصے سے میرے دل پر ایک عجیب طرح کا بار ہے جو کم ہونے کا نام نہیں لے رہا۔ اس کے لیے میں نے بڑی تدبیریں کیں، خیال کو ذہن سے جھٹکا لیکن وہ خیال یا آپ اسے مرض کہہ لیں، ایسا ہے کہ دامن گیر ہی ہوتا چلا جا رہا ہے۔ میرا وہ غم اور دکھ یہ ہے کہ ہم ناشکرے کیوں ہوتے جا رہے ہیں۔ ہماری زندگی پر ناشکرا پن کا غلبہ کیوں ہوتا جا رہا ہے۔

جس کے پاس گاڑی ہے، وہ بڑی گاڑی یا ہیلی کاپٹر کی تمنا میں پریشان ہے۔ سائیکل والا سکوٹر کو حسرت بھری نگاہوں سے دیکھتا ہے۔ غرض کہ کچی سڑک پر چلنے والا پکی سڑک پر چلنے کی خواہش میں آہیں بھرتا ہے۔ کسی زمانے میں جب ہم جوان تھے اور سکول یا کالج میں پڑھا کرتے تھے، ایسی صورت حال نہیں تھی۔ اس پریشانی کو اور اسے میں تو روح کی بیماری کہوں گا، جسے ہم نے خود ہی بڑھا رکھا ہے اور ہم سب صبح سویرے نہار منہ اس بیماری کو باقاعدگی سے پانی دیتے ہیں اور اس کی پرداخت کرتے ہیں اور ساتھ ساتھ یہ بھی کہتے ہیں کہ ''جی ناشکرے تو نہیں ہیں لیکن اگر گھر میں سوزوکی کی جگہ سوِک آ جائے یا ہنڈا اکارڈ آن کھڑی ہو تو زیادہ اچھا ہے۔'' ہم یہ کبھی نہیں کہتے کہ سوزوکی آئی، یہ ہماری خوش قسمتی ٹھہری کیونکہ ہم سائیکل اور موٹر سائیکل والوں سے تو زیادہ ٹھاٹھ میں ہیں۔

میں یا میری عمر کے بُڈھے جو کسی زمانے میں شکر گذاری سے وابستہ تھے اور خوش تھے، اب دیکھا دیکھی اس بیماری کا شکار ہو رہے ہیں۔ اگر دوران سفر (اور سفر جو مجھے آئے روز کرنے پڑتے ہیں اور میرے من پسند ہیں) کبھی گاڑی خراب ہو جائے تو میں منہ میں جانے کیا سے کیا کچھ کہہ جاتا ہوں

اور پھر جب خیال آتا ہے کہ کیا کہہ بیٹھا' فوراً کہتا ہوں "یا اللہ یہ تو میں ایسے ہی کہہ رہا تھا۔ حالانکہ میں دل سے تیرا شکر گذار بندہ ہوں۔"

یہ بیماری ایسی ہے جو ہماری روحوں اور وجودوں پر بُری طرح سے اثر انداز ہو رہی ہے اور ہمارے آگے بڑھنے کے راستے مسدود کر رہی ہے۔

میرا ایک دوست ہے۔ وہ اچھا خاصا افسر ہے۔ گھر میں دنیا کی ہر آسائش میسر ہے' پھر بھی قسمت پر نالاں رہتا ہے اور کہتا ہے کہ بس اشفاق صاحب کیا کریں۔ آج کل کے دور میں تو زندہ رہنا ہی مشکل ہو گیا ہے۔ بڑے مسائل ہیں۔ میں ان سے پوچھتا ہوں کہ کیا مسائل ہیں؟ تو جواب دیتے ہیں کہ اگر آپ کو گنوانا شروع کر دوں تو ایک وقت لگ جائے۔ لیکن آج تک انہوں نے بتایا نہیں کہ انہیں کیا مسئلہ درپیش ہے۔

اس کے برعکس ہمارا ایک دوست ہوا کرتا تھا۔ وہ مہنگی اور خوبصورت گاڑیوں کی تلاش کرتا رہتا۔ اسے جیسے ہی کوئی مہنگی گاڑی کھڑی نظر آتی وہ اس کے قریب چلا جاتا۔ اِدھر اُدھر دیکھ کر اسے محبت سے ہاتھ لگاتا اور کہتا "کیا خوبصورت گاڑی ہے' اس پر بیٹھنے والا کتنا خوبصورت لگتا ہوگا۔"

یہ تو اس کے سوچنے کا انداز تھا۔ اس ناشکرے پن سے یاد آیا۔ ہم ایک اور Problem سے بھی دوچار ہیں۔

آپ کی بات نہیں کرتا مجھے ہی لے لیں' میں نہ گرمی سے مطمئن ہوتا ہوں' نہ سردی مجھے بھلی لگتی ہے۔ گرمی ہو تو ہر وقت کہا جا رہا ہوتا ہے کہ جی اس بار تو گرمی نے کڑاکے نکال دیئے۔ پریشان کر رکھا ہے۔ سردی ہو تو کہا جاتا ہے کہ جی اتنی سخت سردی میں غریبوں کا کیا حال ہوتا ہوگا۔ بڑی جان لیوا ہے۔ اس سے تو گرمی ہی بھلی۔ کچھ لوگ بارش سے بھی نالاں رہتے ہیں۔ کہیں گے یہاں کیا ضرورت تھی بارش فصلوں پر پڑے' وہاں اس کی ضرورت ہے۔ شہروں میں تو سوائے کیچڑ کے اس کا کوئی کام نہیں۔

ہمارے ایک دوست کہا کرتے تھے کہ بارش تو بس پوش علاقوں کے لیے ہے۔ بارش ہوئی گھر دُھلے اور سارا پانی آن کی آن میں بہہ گیا۔ ایک بار بارش کے لیے وہی صاحب دعا مانگ رہے تھے جو بارش کے خلاف کوسنے دیا کرتے تھے۔

میں نے ان سے کہا' یار آج کیا بات ہے' تو کھسیانے ہو کر کہنے لگے "جب بارش اچھی نہیں لگتی تو کہتا ہوں نہیں ہونی چاہیے۔ آج اچھی لگ رہی ہے تو اس کے لیے دعا مانگ رہا ہوں۔"

خواتین و حضرات! یہ ساری ناشکری کی باتیں ہیں۔

میں اپنے اس گاؤں میں جہاں میں نے بچپن گذارا تھا' وہاں کی ایک بات میرے ذہن میں آ رہی ہے۔ وہ بھی شاید ناشکری کے ہی زمرے میں آتی ہے لیکن جب میں بچہ تھا تو تب محظوظ ہوا کرتا تھا۔ ہمارے گاؤں میں ایک کراڑ ہوتا تھا' یہ کراڑ ایک ذات ہے۔ اس کے پاس ایک بھینس تھی اور بھینس کا چھوٹا سا ننھا بچہ۔ جب وہ بچہ پیدا ہوا تو ہم سب بچے بڑے چاؤ سے اسے دیکھنے گئے۔ اب وہ کراڑ کیا کرتا کہ جب اس نے بھینس کا دودھ دوہنا ہوتا یا دودھ دوہنے کا وقت ہوتا تو وہ اس کے بچے کی رسّی کھول دیتا۔ وہ بچہ جھٹ سے اپنی ماں (بھینس) کے تھنوں سے ٹکریں مارنے لگتا اور ڈھونڈ ڈھانڈ کے تھن منہ میں ڈال کر دودھ پینے لگتا۔ اب جیسے ہی وہ کراڑ دیکھتا کہ بھینس کے تھنوں میں دودھ بھر گیا ہے تو وہ اس کے بچے کو زبردستی کھینچ کر پھر باندھ دیتا اور خود برتن جسے ''ڈوہنی'' کہتے ہیں' اس میں دودھ دوہنے لگتا۔

اس وقت تو ہم اس Situation کو دیکھ کر انجوائے کرتے تھے کہ کس طرح بچے اور کراڑ میں مقابلہ ہو رہا ہے لیکن آج جب میں کچھ بڑا ہو گیا ہوں۔ میں وہ سارا واقعہ یاد کر کے دُکھی ہو جاتا ہوں۔

خواتین و حضرات! اس کراڑ کا وہ عمل بے شک ناشکری اور ظلم پر مبنی تھا۔ وہ بھینس کے بچے سے اس کے حصے کا بھی دودھ چھین لیتا تھا۔ وہ خدا کی اس مہربانی پر شکر ادا نہیں کرتا تھا کہ اسے ایک دودھ دینے والی بھینس کا مالک بنایا ہے بلکہ وہ بھینس کے بچے کے حصے کے دودھ پر بھی قبضہ کر لیتا تھا اور یہ ناشکری والا فعل تھا۔

جو قومیں تباہ و برباد ہوئیں وہ متکبر تھیں۔ اپنی اچھائیوں پر بھی اتراتی تھیں اور برائیوں پر بھی فخر کرتی تھیں۔ خدا کی نعمتوں کو اپنی محنت کا صلہ قرار دیتی تھیں۔ یہ بات کرنے کا مقصد کسی کو ڈرانا مقصود نہیں بلکہ آپ کو' اپنے آپ کو تنبیہ کرنا مقصد ہے۔

آپ نہ صرف اللہ کی مہربانیوں کا شکر ادا کیا کریں بلکہ جو آپ پر کوئی احسان کرے' اس کا شکریہ ادا کیا کریں۔ اس سے معاشرے کے کئی بگاڑ ختم ہو سکتے ہیں۔

اگر بس میں آپ کو کوئی سیٹ دے تو آپ بجائے یہ سوچنے کہ ہو سکتا ہے اس شخص نے میری شخصیت سے مرعوب ہو کر سیٹ چھوڑ دی ہے' یا اس وجہ سے راستہ چھوڑ دیا ہے کہ یہ اشفاق صاحب بہت بڑے دانشور اور رائٹر ہیں۔ یہ سوچ کر خیال کریں کہ یہ اس کی مہربانی اور بندہ نوازی ہے کہ اس شخص نے سیٹ چھوڑ دی یا راستہ دے دیا اور اس پر شکریہ ادا کریں۔

پیارے بچو! اگر یہ روایت ڈال دی جائے' نہ صرف محبت کے سلسلے پروان چڑھیں بلکہ کئی ایک مسائل ختم ہو جائیں۔ ہم سارے موسموں سے اس لیے پیار کرنا شروع کر دیں کہ گرمی سے گندم

پکتی ہے۔ چونسا اور لنگڑا پک کر آتا ہے۔ یہ کس قدر مہربان موسم ہے۔ سردی میں مونگ پھلی کے نظارے ہیں۔ بادام، چلغوزہ تیار ہوگا۔ بارش برسے گی تو دریاؤں، نہروں میں پانی آئے گا۔ کھیت سرسبز ہوں گے۔ خوشحالی آئے گی۔ کہیں کہ خزاں کتنی اچھی ہے، بہار کی نوید لاتی ہے۔

ہم بجائے کسی بات کو نیگیٹو لینے کے پازیٹو لینا شروع کر دیں اور آدھے خالی دریا کو آدھا بھرا دریا کہنا شروع کر دیں تو جو بہتری ممکن ہے وہ ہمارے کئی منصوبوں اور سکیموں سے بھی ناممکن ہے۔

جب میں اٹلی میں درس و تدریس کے لیے گیا ہوا تھا تو وہاں میرے ایک Colleague نے مجھے ایک بڑی خوبصورت بات کہی۔ وہاں ہم لائبریری میں بیٹھے اِنہی پازیٹو اور نیگیٹو رجحانات پر بات کر رہے تھے۔ کہنے لگا، اشفاق صاحب ہمارا اندازِ فکر ٹھیک نہیں ہے۔ ہر اچھی بھلی چیز کو بھی بری بنا کر پیش کرتے ہیں۔ وہ اس حوالے سے مجھے London Born شاعر John Milton کا یہ مصرعہ Quote کرنے لگا کہ واہ واہ کیا بات ہے۔ اور اس نے وہ لائن پڑھی:

Better to reign in hell, than serve in heaven.

(جنت میں غلامی سے دوزخ کی سرداری بہتر ہے)

اس نے کہا کہ ہم سے شیطان کی Approach زیادہ بہتر ہے اور وہ ایک انتہائی منفی بات کو بھی مثبت انداز میں سوچتا ہے۔

(یہ لائن برطانوی شاعر جان ملٹن کی مشہور زمانہ کتاب Paradise Lost کی ہے۔ جو شیطان سے منسوب کی گئی ہے)

ایک روز ہم ڈیرے پر بیٹھے ہوئے تھے اور میں نے باباجی سے پوچھا کہ شکر کیا ہوتا ہے، مسکرائے اور کہنے لگے:

''شکر وہ ہے جو نہیں کیا جاتا ہے۔'' کہنے لگے:

کبھی اپنی بُوتھیاں (شکلیں) دیکھی ہیں۔ تم سے کئی ریڑھی والے، پھل فروش اور مزدور خوبصورت اور قوی جسم کے مالک ہوں گے لیکن اس کے باوجود تم ان سے بہتر ماحول میں رہتے ہو۔ اچھا کھاتے ہو پہنتے ہو۔

یہ شکر والی بات ہے لیکن اس سب کے باوجود شکر نہیں کیا جاتا۔

فرمانے لگے (اس دن باباجی کچھ زیادہ ہی موج میں تھے)

مومن وہ ہوتا ہے جس کے ہاتھ میلے اور گندے ہوں اور اس کا دل صاف اور شفاف ہو۔ وہ ہر حال میں اللہ کا تہہ دل سے شکر گزار ہو۔

خواتین وحضرات! باباجی کی وہ بات سن کر جب میں نے اپنے گریباں میں جھانکا تو سوائے خداوند تعالیٰ سے شکوؤں کے کچھ نہ تھا۔ شکر گذاری نام کی کوئی چیز دور دور تک نہ تھی۔ میں اپنی دانش، عقل اور پڑھائی کے زُعم میں ہی کبڑا ہوا جا رہا تھا۔ سجدہ شکر کے لیے میری کمر میں خم نہیں تھا۔

میں نے تہیہ کیا کہ اب تو میں اللہ کا شکر گذار بندہ بن کر ہی رہوں گا لیکن بچو! یہ ممکن نہیں ہو سکا اور یہ خواہش میرے دل کے اندر ہی اندر ہے، باہر نکل کر عملی شکل اختیار نہیں کر پائی اور میں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ اب میں نے بس اللہ کا شکر گذار بندہ بن جانا ہے۔ اچانک لائٹ چلی گئی اور میں اپنے آپ سے کیا ہوا سارے کا سارا وعدہ بھول گیا اور میرے ذہن میں یہ شکوہ آیا کہ واپڈا والوں کو بھی سوائے بجلی بند کرنے کے کوئی کام نہیں۔ اتنی گرمی ہے اور ایسے میں بجلی بند کرنے کا کیا جواز بنتا ہے۔ میں نے یہ نہیں سوچا کہ ہو سکتا ہے، یہ بجلی کی اچانک بندش کسی انسان کے لیے باعث رحمت بنی ہو اور کسی کے جسم کو کرنٹ نے چھوا ہو اور بجلی کی اچانک بندش نے وہ خوبصورت زندگی بچا دی ہو اور ہو سکتا ہے، وہ بچنے والا شخص پورے خاندان کا واحد کفیل ہو اور کتنا خدا ترس ہو۔

لیکن ناشکری کی بیماری ہمارے وجود میں ایسے سرایت کر چکی ہے اور اس کی جڑیں اتنی مضبوط ہو چکی ہیں کہ ہم انہیں کاٹنے سے عاجز ہیں۔

شکریے میں وہ مغرب والے جن کو میں مثال کے طور پر پیش نہیں کرنا چاہتا، وہ ہم سے آگے نکل گئے ہیں۔ آپ کسی فلم میں یا ان سے مل کر دیکھ لیں، وہ آپ کو اتنی بار Thank You کہیں گے کہ آپ خوشی سے سرشار ہو جائیں گے۔ راہ چلتے ان کا کندھا ذرا بھی آپ سے ٹکرا جائے تو باقاعدہ Sorry کہیں گے اور معمولی سی مہربانی پر فوراً Thank You کہیں گے۔

یہ اچھا انداز ہے۔ اُمید ہے آج کے بعد آپ اور میں تھوڑی سی کوشش ضرور کریں گے کہ شکر گذار بندوں کی لسٹ میں شامل ہو جائیں۔ اگر زیادہ نہیں تو تھوڑے ہی۔

اللہ آپ کو آسانیاں عطا فرمائے اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔ اللہ حافظ۔